ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 2, (April to June 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-II)urdu-24

ماخذ تحقیقی مجلہ

OPEN ACCESS

CC BY NC

ڈاکٹر شائستہ حمید خان
ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور۔
ڈاکٹر ریحانہ کوثر
ایسوسی ایٹ پروفیسر، صدرِ شعبہ اردو، لاہورلالج فار ویمن یونیورسٹی، لاہور۔

موپساں اور منٹو کے افسانوں کا تقابلی مطالعہ

Dr. Shaista Hameed Khan *
Associate professor. Department of Urdu, GC University, Lahore.
Dr. Rehana kausar
Associate Professor, Head of Urdu Department, Lahore College for Women University, Lahore.
***Corresponding Author:**

A comparative study of the stories of Maupassant and Manto

The concept of French literature fiction is incomplete without Maupassant and Urdu literature fiction is incomplete without mentioning Manto. Both Maupassant and Manto gave more importance to the genre of fiction than other genres of literature to express their feelings and experiences. Maupassant wrote about three hundred fictions and Manto created about two hundred and fifty fictions. Maupassant is considered the most realistic fiction writer in French literature is considered the greatest realistic fiction writer in French literature, and Manto is considered the greatest realistic fiction writer in Urdu literature. It is also a coincidence that the realism of both is such that both have been accused of pornography.

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 2, (April to June 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-II)urdu-24

ماخذ تحقیقی مجلہ

Key Words: *Maupassant, Manto, Comparative study, Realistic, Phycological.*

تقابلی مطالعہ سے مراد

دو یا چند فنکاروں کی تخلیقات کا موازنہ ہے۔ مختلف زبانوں کی ادبی تاریخوں کے مطالعہ سے یہ بات بالکل عیاں ہے کہ فنی نمونوں اور تخلیقات کا باہمی موازنہ و مقابلہ اور مطالعہ ہر دور میں موجود تھا۔ شاہد پرویز تقابلی مطالعہ کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

> "تقابلی مطالعہ دو یا دو سے زیادہ فن کاروں' فن پاروں کا تجزیاتی مطالعہ ہوتا ہے جس سے ادب' فن پاروں اور فنکاروں کے مراتب کے تعین' ان کی خصوصیات کو نمایاں کرنے اور ان کے اثرات کی نشاندہی کرنے میں قابل لحاظ مدد ملتی ہے لیکن یہ مطالعہ تعین قدر سے گریز کرتا ہے "(۱)

تقابلی مطالعہ انگریزی زبان کے Comparative Study کا اردو ترجمہ ہے۔ لفظ تقابل کے لغوی معانی موازنہ، مقابلہ، آمنے سامنے کھڑے ہونے کے ہیں، جب کہ لفظ مطالعہ کے معانی کسی چیز کو واقفیت حاصل کرنے کی غرض سے دیکھنا، کسی چیز سے آگاہ ہونا، کسی چیز پر غور کرنے کے ہیں۔ اس طرح تقابلی مطالعے کا مشترکہ لغوی معنی کسی دو شے کو آمنے سامنے رکھ کر واقفیت حاصل کرنا یا دیکھنا ہے۔ اصطلاحی اعتبار سے تقابلی مطالعہ ایک طریقہ کار ہے جس کا استعمال مختلف علوم مثلاً فنون لطیفہ، فلسفہ، تاریخ، مذہب، لسانیات، نفسیات، سیاسیات، سماجیات وغیرہ میں دو پہلوؤں کے غائر مطالعے کے لیے کیا جاتا ہے۔ ادب میں تقابلی مطالعے کو تقابلی ادب کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔

تقابلی مطالعہ مختلف زبان و ادب اور ان کے قلم کاروں کو جاننے اور ان کے تعین قدر و مقام کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ عام مطالعے میں جہاں ایک ہی زبان و ادب سے سابقہ پڑتا ہے۔ وہیں تقابلی مطالعے میں ایک یا ایک سے زائد زبان و ادب سے روبرو ہونے کا موقع ملتا ہے۔ تقابلی مطالعے کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اس کے ذریعے مختلف ممالک کی ادبیات کا ایک ساتھ مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ تقابلی ادب کی تعریف ماہرین نے اپنے اپنے طور پر بیان کی ہے۔

ماخذ تحقیقی مجلہ
ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 2, (April to June 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-II)urdu-24

رینے ویلک کے مطابق

"تقابلی ادب، ادب کی تمام صورتوں کا مطالعہ بین الاقوامی تناظر میں پیش کرتا ہے اور اس کے نتیجے میں یہ حقیقت واضح کر دیتا ہے کہ ادبی تخلیق اور اس سے لطف اندوز ہونے کی صلاحیت قومی، سیاسی، جغرافیائی حدود سے آزاد ہے۔"

ہنری ایچ۔ ایچ ریماک کے مطابق

"تقابلی ادب دو ملکوں کے درمیان تخلیق کیے گئے ادبیات کا تقابلی مطالعہ ہے، یہ مطالعہ آرٹ، تاریخ، مذہب، سماجیات، سیاسیات اور معاشیات وغیرہ علم کے مختلف شعبوں کے آپسی تعلقات کا بھی مطالعہ ہے۔"

پروفیسر محمد حسن تقابلی ادب کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں

" تقابلی ادب سے وہ ادب مراد ہے جو مختلف ادبی اور فکری اور تہذیبی اثرات کو قبول کرتا ہو اور جس کے ذریعے مختلف ادبیات کے درمیان لین دین، تطابق اور تخالف، تحریکات و تمثال، افکار و اقدار کے تبادلے کا سلسلہ قائم ہو۔"

سعادت حسن منٹو

"میری زندگی اک دیوار ہے جس کا پلستر میں ناخنوں سے کھرچتا رہتا ہوں۔ کبھی چاہتا ہوں کہ اس کی تمام اینٹیں پراگندہ کر دوں، کبھی یہ جی میں آتا ہے کہ اس ملبہ کے ڈھیر پر اک نئی عمارت کھڑی کر دوں۔" منٹو

منٹو کی زندگی ان کے افسانوں کی طرح نہ صرف یہ کہ دلچسپ بلکہ مختصر بھی تھی۔ محض ۴۲ سال ۸ ماہ اور چار دن کی چھوٹی سی زندگی کا بڑا حصہ منٹو نے اپنی شرائط پر، نہایت لاپرواہی اور لاابالی پن سے گزارا۔ انھوں نے زندگی کو اک بازی کی طرح کھیلا اور ہار کر بھی جیت گئے۔ غیر اردو داں طبقہ اردو شاعری کو اگر غالب کے حوالہ سے جانتا ہے تو فکشن کے لئے اس کا حوالہ منٹو ہیں۔

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 2, (April to June 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-II)urdu-24

اپنی تقریباً ۲۰ سالہ ادبی زندگی میں منٹو نے ۲۷۰ افسانے، ۱۰۰ سے زیادہ ڈرامے، کتنی ہی فلموں کی کہانیاں اور مکالمے، اور ڈھیروں نامور اور گمنام شخصیات کے خاکے لکھ ڈالے۔ ۲۰ افسانے تو انھوں نے صرف ۲۰ دنوں میں اخبارات کے دفاتر میں بیٹھ کر لکھے۔ ان کے افسانے ادبی دنیا میں اک تہلکا مچادیتے تھے۔ ان پر کئی بار فحش نگاری کے مقدمات چلے اور پاکستان میں ۳ مہینے کی قید اور ۳۰۰ جرمانہ بھی ہوا۔ پھر اسی پاکستان نے ان کے مرنے کے بعد ان کو ملک کے سب سے بڑے سیویلین ایوارڈ "نشان امتیاز" سے نوازا۔ جن افسانوں کو فحش قرار دے کر ان پر مقدمے چلے ان میں سے بس کوئی ایک بھی منٹو کو زندہ جاوید بنانے کے لئے کافی تھا۔ بات صرف اتنی تھی کہ بقول وارث علوی "منٹو کی بے لاگ اور سفّاک حقیقت نگاری نے بیشمار عقائد، مسلمات اور تصورات کو توڑا اور ہمیشہ شعلۂ حیات کو برہنہ انگلیوں سے چھونے کی جرات کی۔ منٹو کے ذریعے پہلی بار ہم ان حقائق سے آشنا ہوتے ہیں جن کا صحیح علم نہ ہو تو دل نرم و نازک اور آرام دہ عقائد کی تحویل میں چھوٹی موٹی شخصیتوں کی طرح جیتا ہے" منٹو نے خیالی کرداروں کی بجائے سماج کے ہر طبقے اور ہر طرح کے انسانوں کی رنگارنگ زندگیوں کو، ان کی نفسیاتی اور جذباتی تہہ داریوں کے ساتھ، اپنے افسانوں میں منتقل کرتے ہوئے معاشرہ کے مکروہ چہرے کو بے نقاب کیا۔ منٹو کے پاس معاشرہ کو بدلنے کا نہ تو کوئی نعرہ ہے اور نہ خواب۔ اک ماہر حکیم کی طرح وہ مریض کی نبض دیکھ کر اس کا مرض بتا دیتے ہیں اب اس کا علاج کرنا ہے یا نہیں اور اگر کرنا ہے تو کیسے کرنا ہے یہ سوچنا مریض اور اس کے لواحقین کا کام ہے۔

سعادت حسن منٹو ۱۱ مئی ۱۹۱۲ء کو لدھیانہ کے قصبہ سمبرالہ کے ایک کشمیری گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام مولوی غلام حسین تھا اور وہ پیشہ سے جج تھے۔ منٹو ان کی دوسری بیوی کے بطن سے تھے۔ اور جب زمانہ منٹو کی تعلیم و تربیت کا تھا وہ ریٹائر ہو چکے تھے۔ مزاج میں سخت گیری تھی اس لئے منٹو کو باپ کا پیار نہیں ملا۔ منٹو بچپن میں شریر کھلنڈرے اور تعلیم کی طرف سے بے پرواتھے میٹرک میں دو بار فیل ہونے کے بعد تھرڈ ڈویزن میں امتحان پاس کیا۔ وہ اردو میں فیل ہو جاتے تھے۔ باپ کی سخت گیری نے ان کے اندر بغاوت کا جذبہ پیدا کیا۔ یہ بغاوت صرف گھر والوں کے خلاف نہیں تھی بلکہ اس کے دائرہ میں زندگی کے تمام مسلمہ اصول آ گئے۔ جیسے انھوں نے فیصلہ کر لیا ہو کہ انھیں زندگی اپنی اور صرف اپنی شرائط پر جینی ہے۔

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 2, (April to June 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-II)urdu-24

ہنری رینے گائے ڈی موپساں (Henri Rene Guy de Maupassant) 5 اگست ۱۸۵۰ء کو فرانس میں پیدا ہوا۔ اس نے زندگی کی فقط ۴۲ بہاریں دیکھیں اور چھے جولائی ۱۸۹۳ء کو دنیا سے رخصت ہو گیا۔ وہ ۱۱ سال کا تھا جب اس کے والدین میں علیحدگی ہو گئی اور وہ اپنی ماں کے ساتھ رہنے لگا۔ وہ شعر و ادب کی دلدادہ خاتون تھی جس نے اپنے بیٹے کو لکھنا پڑھنا سکھانے اور تربیت کی غرض سے فلابیئر کو سونپ دیا جو مشہور اور بلند پایہ ادیب تھا، اس کی صحبت نے موپساں کو بھی بڑا تخلیق کار بنا دیا۔۔ موپساں نے جدید افسانے میں حقیقت نگاری اور نیچرل ازم کو متعارف کروایا۔ اس کی کہانیوں اور اسلوب کو اس کے خورد معاصرین نے بھی سراہا اور اسے باکمال قرار دیا تھا۔

موپساں کا بچپن دیہاتی ماحول میں گزرا۔ جنگل، دریا اور خوب صورت نظّاروں میں وقت گزارتے ہوئے اس نے تخلیق اور مشاہدے کا سفر بھی طے کیا۔ وہ سمندر کا شناور بھی تھا، اسے کشتی رانی اور مچھلیوں کے شکار کا شوق تھا۔ اس نے ادب کا مطالعہ کرتے ہوئے گریجویشن مکمل کی اور فلابیئر کے زیر سایہ رہتے ہوئے ادب اور صحافت کے میدان میں کام یابیاں سمیٹیں۔ ناول اور افسانہ نویسی کی طرف آیا تو ۱۸۸۰ء کی دہائی میں اس کا تخلیقی سفر عروج پر تھا۔

اس کے ناول اور کہانیوں کے متعدد مجموعے شایع ہوئے اور نام وری کے ساتھ اس نے دولت بھی کمائی۔ تاہم بدقسمتی سے جنسی بے راہ روی کے ہاتھوں بیماری کے بعد موت کے منہ میں چلا گیا۔۔ اس نے مختلف قلمی ناموں سے بھی کہانیاں لکھیں اور کئی افسانوں کے مجموعے اس کی زندگی ہی میں اشاعت پذیر ہوئے جب کہ اس کی ۶۰ سے زائد کہانیوں کو شاہ کار تصوّر کیا جاتا ہے۔

البیر گائے داموپاساں ۵ اگست ۱۸۵۰ میں پیدا ہوا اور ۶ جولائی ۱۸۹۳ یعنی بیالس سال کی عمر میں اس نے فرانس کی راج دھانی پیرس میں وفات پائی۔ سعادت حسن منٹو نے ۱۱ مئی ۱۹۱۲ میں اپنی آنکھیں کھولیں اور ۱۸ جنوری ۱۹۵۵ میں پاکستان میں بیالس سال کی عمر اس دار فانی کو الوداع کہا۔ اس طرح ایک انیسویں صدی میں پیدا ہو کر انیسویں صدی میں ہی انتقال کر گیا اور ایک بیسویں صدی میں پیدا ہو کر بیسویں صدی میں ابدی زندگی کی طرف کوچ کر گیا۔ چونکہ موپاساں اور منٹو نے الگ الگ ملک، تہذیب اور صدی میں سانسیں لیں اس لئے یہاں ایک سوال ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ اگر دو فنکار کی تہذیب، زبان اور زمانہ الگ ہو تو پھر ان دونوں میں مماثلت اور یکسانیت کی بنیاد کہاں اور کیسے تلاش کی جائے؟ جب ہم دو لوگوں کے درمیان یکسانیت کی بات کرتے ہیں تو اس طرح کے

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 2, (April to June 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-II)urdu-24

سوالوں کا ذہن میں آنا لازمی بھی ہے اور ضروری بھی۔ دراصل ہم انہیں سوالوں کی مدد سے یکسانیت کے پہلو کھوج نکالنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ موپاساں اور منٹو کی عمر نے ان کے ساتھ وفا نہیں کی۔ دونوں محض بیالس سال ہی زندہ رہ سکے لیکن اسی کم مدت میں دونوں نے اپنے اپنے ادب کو لازاوال کہانیوں سے مالامال کر دیا۔ فرانسیسی ادب کے فکشن کا تصور موپاساں کے بغیر ادھورا ہے اور اردو ادب کا فکشن منٹو کے ذکر کے بنانا مکمل ہے۔ ایک دوسرا اتفاق بھی اپنے آپ میں حیرت انگیز ہے کہ موپاساں اور منٹو دونوں نے دیگر اصناف ادب کے مقابلے میں اپنے احساسات و تجربات کی ترجمانی کے لئے افسانہ کی صنف کو زیادہ اہمیت دی۔ موپاساں نے تقریباً تین سو افسانے لکھے اور منٹو نے کم و بیش دو سو پچاس افسانے تخلیق کئے۔ موپاساں کو فرانسیسی ادب کا سب بڑا حقیقت پسند افسانہ نگار تسلیم کیا جاتا ہے اور منٹو کو اردو ادب کا سب سے بڑا حقیقت پسند افسانہ نگار مانا جاتا ہے۔ یہ بھی اتفاق ہی ہے کہ دونوں کی حقیقت نگاری کچھ اس نوعیت کی ہے کہ دونوں پر فحش نگاری کے الزامات لگے ۔

موپاساں اور منٹو کے درمیان جو چیزیں مشترک ہیں ان میں سب سے اہم دونوں کی حقیقت نگاری ہے۔ حقیقت نگاری کوئی فلسفہ نہیں ہے کہ اس پر تفصیلی گفتگو کی جائے۔ ایک فکشن نگار دراصل ہمارے سماج اور معاشرے کا حساس نمائندہ ہوتا ہے۔ وہ زندگی کی توضیح و تشریح اپنے افسانے میں پیش کرتا ہے۔ یہ توضیح جتنی صاف اور غیر مبہم ہوتی ہے وہ اتنی حقیقت سے قریب ہوتی ہے۔ حقیقت پسند تخلیق کار زندگی کی ان حقیقتوں کو پیش کرتا ہے جن کے بارے میں عام طور گفتگو نہیں کی جاتی۔ موپاساں اور منٹو اس لئے حقیقت پسند فکشن نگار تسلیم کئے جاتے ہیں کہ انہوں نے زندگی کی حقیقتوں کو زیادہ جرات مندی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ موپاساں کی کہانیوں کا مطالعہ گہرائی کے ساتھ کریں تو یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ وہ زندگی کی سچائیوں کو کتنے صاف لفظوں میں پیش کرتا ہے۔ وہ ہمارے سماج کی تلخ حقیقتوں کو ابہام و تمثیل کے حریری پردے میں مستور کر کے پیش نہیں کرتا۔

موپاساں اور منٹو دونوں نے اپنے اپنے افسانوں میں سماج کے اس طبقہ کو زیادہ جگہ دی ہے جس کی طرف نام نہاد طبقہ اشرافیہ حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ ہماری حقیقی زندگی میں کئی ایسے کردار ہیں جو مجبور اور لاچار ہوتے ہیں۔ وہ اپنے احساسات کسی سے ساجھا نہیں کر سکتے ۔ ایسا ہی ایک کردار طوائف کا ہے۔ طوائف دنیا کی سب سے

ماخذ تحقیقی مجلہ
ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 2, (April to June 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-II)urdu-24

لاچار مخلوق اس لئے ہے کہ اس کی طرف وہ شخص بھی حقارت سے دیکھتا ہے جو رات کی تاریکی میں اس کے کوٹھے پر پہنچ جاتا ہے۔ آپ ذرا تصور کریں کہ کیا گزرتی ہو گی اس عورت پر کہ جس کے جسم کے ساتھ رات ڈھلتے ہی لوگ کھیلتے ہیں اور دن کی روشنی میں اس کی طرف دیکھنا پسند نہیں کرتے۔ یہ المیہ کوئی معمولی المیہ نہیں ہے۔ جس کے ساتھ یہ المیہ پیش آرہا ہے اگر اس کے درد کو سمجھنا ہے یا اس کے احساسات سے واقف ہونا ہے تو آپ موپاساں اور منٹو کی کہانیاں ضرور پڑھیں۔ یہ دونوں طوائف کے احساسات و جذبات کی ترجمانی حقیقت پسندانہ طریقے سے کرتے ہیں۔ موپاساں یا منٹو جب آپ کو طوائف سے روبرو کراتے ہیں تو وہ آپ سے یہ نہیں کہتے کہ آپ اس سے محبت کریں یا یہ نہیں کہتے کہ آپ ان کے پیشے کو صحیح قرار دیں۔ وہ بس اتنا مطالبہ کرتے ہیں کہ آپ اس کے احساسات کو سمجھنے کی انسانی کوشش کریں۔ طوائف کا ذکر کرتے ہوئے دونوں یہ بھی بتاتے ہیں کہ یہ جو مہذب معاشرہ ہے اس میں رہنے والا انسان واحد ایسا رہائشی ہے جو چہرے کے اندر بھی ایک چہرہ رکھتا ہے اور اس کے باہر بھی۔ طوائف کے ضمن میں موپاساں کا افسانہ Boul de Suif بہت اہم ہے ۔Boul de Suif کا اصل نام Elizabeth ہے۔ یہ ایک مشہور طوائف ہے ۔Roen پر Prussia کا قبضہ ہو گیا ہے اس لئے کچھ لوگ Rouen سے Havre کی طرف ایک گاڑی میں سوار ہو کر جانے کا ارادہ کرتے ہیں۔ اس میں اتفاق سے Elizabeth بھی ہوتی ہے۔ یہ گاڑی کچھ دور جاتی ہے لیکن Prussia کی فوج اس کو روک لیتی ہے۔ دو دنوں تک یہ لوگ فوج کے قبضے میں رہتے ہیں۔ ایک دن الیزابیتھ اپنے ساتھیوں سے کہتی ہے کہ ہم لوگوں کو اس وقت تک بندی بنا کر رکھا جائے گا جب تک وہ فوج کے ساتھ رات نہ گزار لے۔ الیزابیتھ افسر کے ساتھ رات گزارنے سے انکار کر دیتی ہے لیکن اس کے ملک کے ساتھی آزادی حاصل کرنے کی غرض سے الیزابیتھ کو افسروں کے ساتھ رات گزارنے کے لئے طرح طرح سے راضی کرنے لگتے ہیں۔ اس کے اپنے ملک کے ساتھی اس کے رات گزارنے کے عمل کو ملک کی عزت کے لئے عین اخلاقی اور منطقی بتاتے ہیں۔ جب الیزابیتھ رات گزار کر دوسری صبح اپنے ساتھیوں کے ساتھ Havre کی طرف روانہ ہوتی ہے تو ان میں سے کوئی بھی شخص اس کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا جو اس کے اس قربانی کو عین اخلاقی بتا رہے تھے۔ وہ کس نفسیاتی کیفیت میں ہے اس تعلق سے کوئی بھی اس سے ہمدردی کے دو بول نہیں بولتا۔ الیزابیتھ اپنے ہی ملک کے لوگوں کے اس رویہ سے دل شکستہ ہو جاتی ہے اور رونے لگتی ہے۔ رونے کی آواز سن کر ایک عورت

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 2, (April to June 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-II)urdu-24

اپنے شوہر سے یہ شرم ناک جملہ کہتی ہے "Elle Pleursahont" یعنی یہ شرم کی وجہ سے رو رہی ہے۔ سب اپنی اپنی آزادی کی خوشی میں مگن نغمہ سن رہے ہیں اور الیزابیتھ کی کیفیت کیا ہے اس کو موپاساں کے الفاظ میں دیکھیں:

> Et Boul de suifPlearaittoujour; etparfois un sanglot, qu'elle n'avaitpurentir, passait entre deux couplet, dans les tenebres
>
> ترجمہ: اور بول دا سوف روتی رہی، نغموں کے درمیانی وقفے میں کبھی کبھی اس کی سسکیاں جن کو وہ روک نہیں پا رہی تھی اندھیرے میں دور تک پھیل جاتیں۔

Boul de suif کی حالت اور کیفیت کو دیکھتے ہوئے منٹو کے ہتک کی سوگندھی نظروں کے سامنے آجاتی ہے۔ سوگندھی بھی ایک طوائف ہے۔ وہ اپنے دلال رام لال کے کہنے پر بن سنور کر سیٹھ کے پاس جاتی ہے جو کوٹھے کے نیچے اس کا منتظر ہے۔ سوگندھی کے بارے میں رام لال سیٹھ سے کہتا ہے:

> "بڑی اچھی چھوکری ہے، تھوڑے ہی دن ہوئے اسے دھندا شروع کئے"

اب آگے کا منظر منٹو کی زبانی دیکھیں:

> "ایک لمحے کے لئے اس روشنی نے سوگندھی کی خمار آلود آنکھوں میں چکاچوند پیدا کی۔ بٹن دبانے کی آواز پیدا ہوئی اور روشنی بجھ گئی۔ ساتھ ہی سیٹھ کے منہ سے "اونہہ" نکلا پھر ایک دم سے موٹر کا انجن پھڑ پھڑایا اور کار یہ جاوہ جا۔۔۔ "سیٹھ کے اس رویہ کو سوگندھی سمجھ نہیں پائی تھی کہ رام لال بول پڑا۔" پسند نہیں کیا تجھے۔ اچھا بھئی میں چلتا ہوں۔ دو گھنٹے مفت ہی برباد گئے۔"

اس کے بعد سوگندھی اپنے کمرے میں جاتی ہے اور خارش زدہ کتے کے ساتھ سو جاتی ہے۔ آپ Boul de suif کے ساتھیوں کا رویہ دیکھیں اور ساتھ میں اس جملہ کو یاد کریں کہ "شرم کی وجہ سے رو رہی ہے" پھر سیٹھ کے "اونہہ" اور رام لال کے جملہ کو سامنے رکھیں ان میں بڑی حد تک یکسانیت پائی جاتی ہے۔ کیونکہ دونوں جملوں میں ایک کردار کے تئیں حقارت کا پہلو پوشیدہ ہے۔ Boul de suif اور سوگندھی دونوں ایک ہی طرح کے احساس

ماخذ تحقیقی مجلہ
ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 2, (April to June 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-II)urdu-24

سے دوچار ہوتی ہے۔ ایک کو اس کے ساتھی حقارت سے دیکھتے ہیں اور گفتگو کرنے میں ذلت و عار محسوس کرتے ہیں ۔ دوسری طرف سوگندھی ہے جس کے وجود کو صرف ایک لفظ "اونہہ" کے ذریعہ جھٹلا دیا جاتا ہے۔ رام لال جس کی روٹی روزی سوگندھی اور اس جیسی دوسری طوائف کی مرہون منت ہے وہ بھی " دو گھنٹے مفت میں برباد گئے" کہہ کر اس کے زخم پر نمک چھڑک دیتا ہے۔ دراصل بول داسوف اور سوگندھی ایک ہی تجربے سے گزرتی ہے۔ دونوں کی ذہنی کیفیت میں کوئی فرق نظر نہیں آتا ۔

یہاں میں ایک چیز اور واضح کرتا چلوں کہ موپاساں اور منٹو نے اپنے اپنے افسانوں کے بین السطور میں نام نہاد انسانیت پر جتنی تلخ چوٹ کی ہے اس کی مثال بے نظیر ہے۔ بول داسوف ایک طوائف ہے۔ افسر کے ساتھ ایک رات گزار لینے سے اس کی ذات پر کیا فرق پڑ سکتا ہے۔ لیکن وہ اپنے ساتھیوں کے رویہ پر اس قدر حیران ہے کہ وہ زار و قطار رونے لگتی ہے۔ اس کا رونا صرف اس کے ساتھیوں پر رونا نہیں ہے بلکہ وہ اس پورے سماج پر آنسوں بہا رہی ہے جو اس کے ساتھیوں کی طرح دوہرا رویہ رکھتے ہیں۔ موپاساں نے ایک طوائف کے ذریعہ نام نہاد مہذب انسان کے دہرے رویے پر آنسوں بہوا کر اس مہذب انسان کے وجود کو ایک طوائف کے پیشے سے زیادہ رزیل بنا دیا ہے۔ اسی طرح ہتک کی سوگندھی جب ایک خارش زدہ کتے کے ساتھ سوتی ہے تو دراصل وہ ایسا کر کے اس پورے معاشرے کو ایک خارش زدہ کتے سے زیادہ مکروہ اور گھٹیا ثابت کرنا چاہتی ہے جس کی بنیاد منافقت پر ہے ۔ یہاں موپاساں اور منٹو کی منشا دراصل ایک ہی ہے اور وہ ہے نام نہاد مہذب معاشرے پر چبھنے والا گہرا طنز۔ اس طرح دیکھا جائے تو دونوں کہانیوں کی مختلف دھارائیں بہتی ہوئی ایک ہی مقام پر پہنچ جاتی ہیں۔

موپاساں اور منٹو میں جو یکسانیت ہے اس کے بارے میں ہمارے بزرگوں نے ایک غلط فہمی یہ عام کر دی کہ منٹو دراصل موپاساں سے بہت متاثر تھے۔ شروع شروع میں انہوں نے فرانسیسی کہانیوں کے ترجمے کئے ۔ ہمایوں کا فرانسیسی نمبر جو ستمبر ۱۹۳۵ میں شائع ہوا، اس کو منٹو نے ہی مرتب کیا تھا۔ اس لئے منٹو پر اس کا اثر پڑنا لازمی تھا۔ یہ بات سچ ہے کہ منٹو کے ادبی کیریر کا آغاز ترجمہ نگاری سے ہوا۔ ترجمہ کرتے ہوئے ظاہر بہت سے افسانے اس کی نظر سے گزرے ہونگے۔ اس لئے ممکن ہے وہ بعض کہانیوں سے متاثر بھی ہوا ہو لیکن کسی سے متاثر ہو کر کوئی لازاوال افسانے نہیں لکھ سکتا۔ منٹو کے حوالے سے یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ اس نے موپاساں سے جو چیزیں

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 2, (April to June 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-II)urdu-24

مستعار لی ہیں ان میں تکنیک اور حقیقت پسندی اہم ہیں۔ لیکن صرف اسی پر موقوف نہیں موپاساں اور منٹو میں کہانی، پلاٹ،، کردار اور بعض دفعہ موضوع میں بھی بہت تک یکسانیت نظر آتی ہے۔ اس کی اصل کیا ہے اس کے بارے میں شاید نہیں لکھا گیا۔ بات یہ ہے کہ سماج چاہے وہ فرانس کا ہو یا ہندوستان کا اس میں رہنے انسان ہی ہوتے ہیں۔ انسان کسی بھی کلچر کا کا پروردہ ہو دکھ اور تکلیف میں اس کی کیفیت ایک سی ہوتی ہے۔ موپاساں اور منٹو نے اپنے اپنے سماج کے اس انسان کا مطالعہ کیا ہے جو ہماری بے توجہی، نفرت اور حقارت کا برسوں سے شکار تھے۔ موپاساں اور منٹو نے سماج کے ستائے ہوئے لوگوں لوگوں کے دلوں میں جھانک کر اس کے داخلی کرب اور دکھوں پتہ لگایا۔ عجیب اتفاق ہے کہ موپاساں نے جب لکھنا شروع کیا تو پروشیا اور فرانس کی جنگ شروع ہو گئی تھی۔ جنگ کی تباہی اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے دوسرے مسائل جیسے ہجرت اور اس کے کرب کو موپاساں نے موضوع بنایا۔ ادھر منٹو نے جب لکھنے کا آغاز کیا تو ملک کی آزادی کی جنگ اور پھر تقسیم ملک کے وقت رونماں ہونے والے فسادات نے منٹو کو تقریباوہی سب موضوعات دئے جو موپاساں کے ملے۔ اس لئے میرا یہ ماننا ہے کہ موپاساں اور منٹو میں یکسانیت کی اصل وجہ دراصل دونوں جگہ کے ایک سے حالات کا ہونا ہے۔

سماجی حقیقت نگاری کے حوالے سے یہ کہنا مناسب ہو گا کہ موپیاں نے انسانی دکھوں کے اسباب تلاش کرتے وقت طبقاتی تضادات کو اجاگر نہیں کیا بلکہ اسے فطرت کی ستم کاریوں سے تعبیر کیا جو مکمل طور پر درست نہیں۔ اس کی بہترین مثالیں ان کے افسانے خوشی، معذرت زنگ، ایک بوڑھا آدمی، شیطان, قبر، بہار میں ایک پاگل شخص کی ڈائری اور کئی دوسرے افسانے شامل ہیں۔ ۲۰ ویں صدی کی شروعات میں انہوں نے جو افسانوی ادب کے رجحانات متعارف کرائے وہ بعد میں سمرسیٹ ماہم اور اوہنری کیلیئے مثال بن گئے۔ ان دونوں افسانہ نگاروں نے موپیاں کی روایات کو آگے بڑھاتے ہوئے ان میں کئی اور مثبت پہلو شامل کیے۔ اور عالمی ادب میں اپنا ایک الگ مقام بنایا۔ موپیاں نے اپنے افسانوں میں جس طرح انسان کی بے بسی اور بے کسی کی تصویر کھینچی ہے اسے پڑھ کر قاری حیرت کے سمندر میں ڈوب جاتا ہے۔ یہ ان کی قوت مشاہدہ کا اعجاز ہے کہ ان کے افسانوں کے کئی فقرے ضرب المثل کا درجہ اختیار کر گئے ہیں۔ مثال کے طور پر ملاحظہ کیجیے:

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 2, (April to June 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-II)urdu-24

بندے کو بعض معاملات میں اتنا بے خوف ہونا چاہیے کہ خوف کو خوف آئے۔ انسان کو کبھی حوصلہ نہیں ہارنا چاہیے اور اسے یاد رکھنا چاہیے کہ جو حوصلہ ہار جاتا ہے وہ ایک دن زندگی بھی ہار جاتا ہے۔ نفرت کے شعلوں کو بھڑکانے والا اگر کبھی محبت کی بھیک مانگے تو اسے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ آگ میں کبھی پھول نہیں کھلتے۔ اگر کوئی عورت کسی مرد کی محبت میں گرفتار ہو جائے اور مرد کو بھی اس کا احساس ہو جائے تو اس کی زندگی کا چلن مکمل طور پر بدل جاتا ہے۔ انسان کی زندگی اس وقت بالکل بیکار ہو جاتی ہے جب اس کے سوچنے کی طاقت ختم ہو جائے۔ بڑھاپے میں موت کا خوف جوانی کی رعنائیاں بار بار یاد دلاتا ہے۔ سماجی حقیقت نگاری کے حوالے سے

برصغیر کے اردو افسانہ نگاروں میں سعادت حسن منٹو کا نام سرفہرست ہے۔ منٹو کے فن افسانہ نگاری کا تجزیہ کرتے ہوئے بہت سے ایسے عوامل ملتے ہیں جن کی وجہ سے موپساں کے ساتھ ان کی مماثلت کی کئی دلیلیں مل جاتی ہیں۔ انسانی نفسیات کا گہرا مشاہدہ منٹو کے ہاں بھی قاری کو ملتا ہے۔ انسان اور انسانی صورتحال اور فطرت نگاری کے علاوہ ان کے ہاں جو ایک اور اہم موضوع ملتا ہے وہ ہے سماجی اور معاشی ناہمواری کی کوکھ سے جنم لینے والے مسائل۔ یہ مسائل انسانوں کے دکھوں اور آشوب کی سب سے بڑی وجہ ہیں۔ اس کے علاوہ جنسی ناآسودگی بھی منٹو کا من پسند موضوع ہے۔ تقسیم ہند کے بعد جو ہولناک فسادات کی کہانیاں منظر عام پر آئیں وہ بھی منٹو کے انسانوں میں جابجا ملتی ہیں۔ منٹو بھی براہ راست ابلاغ میں یقین رکھتے تھے اور حقیقت پسندانہ اسلوب نگارش ان کے افسانوں کا طرہ امتیاز ہے۔ لیکن وہ موپساں کی طرح انسانوں کی بے بسی اور بے کسی پر خاموشی سے ماتم کناں نہیں ہوتے بلکہ مروجہ سماجی اور معاشی نظام کے جسم پر بڑی سفاکی سے تنقید اور طنز کے کوڑے برساتے نظر آتے ہیں۔ ان کے اکثر افسانوں کا کلائمکس بھی بہت حیران کن ہوتا ہے اور قاری کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ ان کے بہترین افسانوں کی تعداد بہت زیادہ ہے جن میں "ٹوبہ ٹیک سنگھ، لائسنس، دو قومیں، سوراج کیلئے، ۱۹۱۹ء کی ایک بات، سڑک کے کنارے، سرکنڈوں کے پیچھے، موزیل، ٹھنڈا گوشت، نیا قانون، دھواں، بُو، دودا پہلوان، مسٹر معین الدین" اور کئی اور افسانے ہیں۔ ان کے دو علامتی افسانے "پھندے" اور "فرشتہ" بھی کلاسک کا درجہ رکھتے ہیں۔ سعادت حسن منٹو نے ڈرامے بھی لکھے اور مختلف شخصیات پر ان کے لکھے گئے خاکوں کے مجموعے "گنجے فرشتے" کو بھی اردو ادب میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ترقی پسند مصنفین سعادت حسن منٹو کو ترقی پسند ادیب تسلیم

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 2, (April to June 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-II)urdu-24

ماخذ تحقیقی مجلہ

کرتے ہیں، لیکن منٹو نے اپنے آپ کو کبھی ترقی پسند نہیں کہا۔ ترقی پسندوں کے نزدیک سعادت حسن منٹو کے افسانوں کے موضوعات کو مد نظر رکھ کر یہ بات بلا چون وچرا کہی جاسکتی ہے کہ وہ ایک ترقی پسند ادیب تھے۔ سعادت حسن منٹو کے افسانچوں کی ایک بڑی مشہور کتاب ہے جس کا عنوان ہے "سیاہ حاشیے" چونکہ اس زمانے میں ان کے ترقی پسندوں سے اختلافات تھے اس لئے انہوں نے اپنی اس کتاب کا دیباچہ معروف نقاد حسن عسکری سے لکھوایا جس پر ترقی پسند مصنفین نے انہیں آڑے ہاتھوں لیا۔ ان کے نزدیک رجعت پسندی کے خلاف مزاحمت کرنے والے ادیب نے ایک رجعت پسند نقاد کے سائے تلے پناہ لے لی۔ احمد ندیم قاسمی نے بھی ایک خط لکھ کر منٹو کو کھری کھری سنائیں۔ موپساں اور سعادت حسن منٹو میں ایک اور چونکا دینے والی مماثلت ہے۔ دونوں بڑے صاف گو اور جرأتمند تھے۔ ضدی اور ہٹ دھرم بھی تھے۔ دونوں بہت انا پرست تھے۔ بعض اوقات اپنے افسانوں میں اپنے آپ کا تمسخر اڑاتے تھے، جسے خود استہزائی کہا جاتا ہے۔ شاعری میں یہ خود استہزائی ہمیں جدید غزل کے نامور شاعر ظفر اقبال کے ہاں جا بجا ملتی ہے اور انہوں نے اپنے جداگانہ اسلوب سے اسے باقاعدہ ایک آرٹ کا درجہ دیا ہے۔ موپساں اور سعادت حسن منٹو کی بہت سی عادتیں مشترک تھیں۔ دونوں بلانوش تھے اور اپنے وضع کردہ اصولوں پر کبھی سمجھوتہ نہیں کرتے تھے۔ دونوں نے ۴۲ سال کی عمر پائی۔ دونوں نے ۲۰ویں صدی کے تقاضوں کو خوب سمجھا، بہت سی روایات سے بغاوت کی اور نئی روایات کو جنم دیا۔ دونوں نے لفظ "کلیشا" کا روایتی مفہوم ہی تبدیل کر دیا۔ اور ہر نئے مکتب فکر کو اس لفظ کی وسعتوں میں شامل کر دیا۔ دونوں کفِ برشگال پر رکھی ہوئی برف کی ڈلی نہیں تھے، جو خود بخود ہی پگھل جاتی ہے بلکہ دونوں نے اپنے فن کی گرمی سے بے حسی کی چٹانیں پگھلا کر رکھ دیں۔ دونوں اس دنیا میں آئے، لیکن زندگی اپنی شرائط پر بسر کی۔ پوری دنیا کے افسانوی ادب میں کسی دو افسانہ نگاروں میں ایسے مشترکہ اوصاف کا ملنا ناممکن ہے۔

حوالہ جات

۱. ہنری ایچ۔ ایچ ریماک، مضمون Comparative Literature, Its Definition and Function مشمولہ کتاب Comparative Literature: Method and

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 2, (April to June 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-II)urdu-24

Perspective،مرتب نیوٹن پی اسٹال نخت اور ہورسٹ فرینز، USA Southern Illinois
University Press,Carbondale،۱۹۶۱ص ۳

۲. پروفیسر محمد حسن، مشرق و مغرب میں تنقیدی تصورات کی تاریخ، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، دہلی،۲۰۱۶،ص ۳۵۹

۳. سعادت حسن منٹو،ہتک، منٹو کے متنازع افسانے،(مرتب)ندیم احمد ندیم، جہلم، پرنٹر پبلیشرز اینڈ بک سیلر، ص ۱۳۴

۴. ایضاً، ص ۱۳۷

۵. موپساں، بولڈ اسوف

https://www.rekhta.org/search/all?q=%%8%D988%D9%84%D8%AF%D8%A7%
20%D8%B3%D9%88%D9%81&lang=ur